اور نور رکھا ہے۔ اسے قبول کرنے والوں کو "احیاء" (زندہ) کہتا ہے جو روشنی میں ہیں، اور منکرین کو "اموات" (مردہ) بتاتا ہے جو تاریکی کی وادیوں میں بھٹک رہے ہیں۔ یہاں منافقین کی حالت اس مناسبت سے بیان کی ہے کہ انھوں نے وحی الٰہی کو دلیل راہ بنایا لیکن اپنی ہی خریدی ہوئی بدبختیوں کی بدولت اس پر قائم نہ رہ سکے اسی لئے ان کو اس شخص کے مشابہ قرار دیا ہے جس نے آگ جلائی روشنی حاصل کرنے اور بہرہ مند ہونے کے لئے لیکن اس کی یہ کوشش نتیجہ خیز نہ ہوئی۔ منافقین کی حالت اس سے بالکل ملتی جلتی ہے بایں طور کہ انھوں نے دائرہ اسلام میں قدم رکھا، اس کی روشنی میں چلنا چاہا، فوائد حاصل کئے، اس کے دامن میں پناہ لی اور مسلمانوں میں مل گئے لیکن چونکہ اس میل ملاپ کا محرک کوئی ایمانی جذبہ نہ تھا جس کا نور ان کے دلوں میں واقعتہً موجود ہوتا اس لئے اللہ نے اسلام کی یہ روشنی ان کے دلوں سے بجھا دی اور ان پر ظلمتِ تاریکی کا پردہ ڈال دیا۔ ذرا قرآن کی اس حکمت پر بھی ایک نظر ڈالو کہ اس نے "ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ" (ان کی روشنی زائل کر دی) کہا ہے "بنارھم" یعنی ان کی آگ بجھا دی نہیں کہا۔ آگ کی خاصیت روشنی بخشنا اور جلانا دونوں ہے۔ سو اللہ نے روشنی تو ان سے سلب کر لی اور جلانے کی تاثیر باقی رکھی اور ان کو تاریکیوں میں بھٹکتا چھوڑ دیا۔ یہی اس شخص کی صحیح تصویر ہے جس نے بینائی سے کام لیا پھر آنکھوں پر خود ہی پٹی باندھ لی۔ معرفت و ہدایت کی سعادت حاصل کی پھر خود ہی انکار و تکذیب کی لعنت اوڑھ لی۔ حدودِ اسلام میں داخل ہوا پھر باطنی لحاظ سے آپ ہی آپ الٹے پاؤں پھر گیا اور ادھر کا رخ نہ کیا۔ اسی وجہ سے ان کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ "وہ اب لوٹنے والے نہیں"۔

اب ذرا قرآن کی آبی تمثیل کے آئینہ میں بھی منافقین کی تصویر دیکھ لو۔ قرآن کہتا ہے کہ منافقین کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو چلتے چلتے زور شور کی بارش میں گھر گئے ہوں۔ بادلوں کی ہمہ گیر تاریکی ان پر مسلط ہے۔ ہولناک بجلیوں کی کڑک چمک ہے۔ ضعف قلب اور سراسیمگی سے ان کا برا حال ہے۔ تاریکی میں کبھی کبھی رہ رہ کر بجلی چمکتی ہے تو اس کی مدد سے دو قدم چل لیتے ہیں لیکن جب زور کی بجلی

کوکتی اور کوندتی ہے تو ڈر کے مارے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں اور آنکھیں بند کر لیتے ہیں کہ کہیں صاعقۂ آسمانی آنہ لے اور تارِ حیات ٹوٹ نہ جائے۔ بس اسی طرح ان منافقین کے لئے بھی رحمتِ الٰہی کی وہ بارش جو قرآن کی صورت میں ہوئی، ان کی اپنی کمی عقل ضعف دماغ اور قلت علم و بصیرت کی وجہ سے زحمت بن گئی۔ قرآن کے احکام امرونہی، اس کی دعوتِ جہاد و قتال، اور نفس پرستوں پر اس کی زجر و توبیخ ان کے لئے بجلی کی کڑک اور چمک بن گئے جن کی تاب لانا ان کے بس میں نہ تھا۔ ہلکی ہلکی بے ضرر تعلیمات کی روشنی میں تو وہ کچھ چل لیتے ہیں۔ مگر جہاں آزمائش کے معاملات آجائیں، یا جہاں تاویلات کی گنجائش نہ دے کر دو ٹوک فیصلہ کر دینے والی آیت آجائے وہاں وہ سخت کشمکش اور پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ ہمارا روز کا مشاہدہ ہے کہ جب گمراہ اور بدعتی فرقوں کے سامنے قرآن کی کوئی صریح آیت پیش کر دی جاتی ہے تو وہ ایسے سٹ پٹاتے ہیں کہ گویا بکریوں کے سامنے شیر آگیا، حالانکہ قرآن کی آیت تو فی نفسہٖ رحمت ہے، مگر ان کے لئے سخت مصیبت بن جاتی ہے۔ اس کی چکا چوند میں وہ الٹا اور راستہ بھول جاتے ہیں اور اس کی آواز ان کے لئے بجلی کا کڑکا بن جاتی ہے جس سے جان بچانے کے لئے انہیں کانوں میں انگلیاں ٹھونس لینی پڑتی ہیں۔ ان کی یہ حالت کیوں ہوتی ہے؟ صرف اس بنا پر کہ ان کی عقلوں اور دلوں پر حق سے نامانوسیت اور بیگانگت کا پردہ پڑا ہوا ہے اور ان کے کمزور دل صفاتِ الٰہی کے روحانی بار کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس وجہ سے وہ اعراض و نفرت پر تل جاتے ہیں۔ انہیں کے مثل ان مشرکوں کا (خواہ ان کے مختلف گروہ اپنے مشرکانہ خیالات میں کتنے ہی مختلف ہوں) حال بھی ہے جن کے سامنے خالص مسئلہ توحید مبرہن ہو کر آجاتا ہے اور قطعی دلائل و نصوص ان کے مشرکانہ اوہام کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیتے ہیں تب بھی ان کے دلوں میں ایمان کی روشنی پیدا نہیں ہوتی، بلکہ ان پر قرآن کی باتیں شاق گزرتی ہے اور وہ اس سے اس قدر وحشت کھاتے ہیں کہ اگر ان کا بس چلے تو اپنے کانوں کو بند کرنے میں بھی دریغ نہ کریں۔ اسی طرح اگر تم اصحابؓ سرورِ کونین صلعم سے

بھی دشمنی رکھنے والوں کو دیکھوگے تو انہیں بھی اسی مرض میں گرفتار پاؤگے۔ جب خلفائے راشدین اور صحابہؓ کی حقانیت اور بزرگی ثابت کرنے والی صریح نصوص ان کے سامنے بے نقاب ہو کر آتی ہیں تو اُن سے بڑھ کر کوئی چیز ان کیلئے سوہانِ روح نہیں ہوتی اور نہایت بے باکی کے ساتھ وہ ان حقائق کا انکار کر دیتے ہیں۔ غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ان تمام مرضائے قلوب کو منافقین کی اس معنوی حالت سے جس کی مثال اللہ نے بیان فرمائی ہے ایک خاص مناسبت ہے۔ اس لئے کہ ان کے حالات اور اعمال بالکل انھیں کے سے ہیں اور دلوں کی مشابہت ہی اعمال کی مشابہت کی باعث ہوتی ہے۔ ایک جماعت یا ایک فرد کے افعال و کردار میں اگر ہمرنگی ہے تو جان لو کہ ان کی کیفیت نفسی اور ان کی صورت روحانی میں بھی ضروری مشابہت ہے۔

(۲) سورۂ رعد میں اسی فلسفۂ ہدایت کو دوسرے پہلو سے بیان کیا گیا ہے۔ وہاں مومنین کو سامنے رکھ کر ان کے بارے میں بھی یہی دونوں، ناری و مائی تمثیلیں بیان فرمائی گئی ہیں مگر دیکھو کہ دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے:-

أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ (رعد - ۲)	اللہ نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اپنی اپنی (سمائی کے) بقدر اس ندی نالے بہ نکلے۔ پھر پانی کے ریلے میں جھاگ بن کر اوپر اٹھ آئے۔ اسی طرح زیور یا دوسرے ساز و سامان بنانے کے لئے (معدنیات کو) جب لوگ آگ میں تپاتے ہیں تو ان میں بھی اسی طرح کا جھاگ ہوتا ہے۔ یوں اللہ حق و باطل کی مثالیں بیان فرماتا ہے۔ سو جھاگ تو رائگاں جاتا ہے اور (پانی) جو لوگوں کے کام آتا ہے زمین میں ٹھیرا رہتا ہے اللہ اسی طرح مثالیں بیان فرماتا ہے

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کو جسے وہ قلب انسانی کو زندہ کرنے کے لئے اتارتا ہے پانی سے تشبیہ دی ہے جو زمین کو زندہ کرنے کے لئے برسایا جاتا ہے اور دلوں کو ندی نالوں سے تشبیہ دی ہے جس طرح ندی نالے آسمان کی بارش کو اپنی اپنی وسعت کے مطابق اپنے سینوں میں بھر لیتے ہیں اسی طرح انسانی قلوب بھی دریائے معرفت

سے بقدر ظرف لے لیتے ہیں۔ جو قلب جتنی زیادہ وسعت رکھتا ہے وہ اسی قدر علم و بصیرت کا خزانہ وحی الٰہی کے فیضانِ عام سے حاصل کرلیتا ہے۔ پانی کے ساتھ وحی اور ندی نالوں کے ساتھ قلوب کی تشبیہ کس قدر بلیغ ہے۔ پھر دیکھو بادلوں سے جب بارش ہوتی ہے اور زمین پر پڑکر دھارے کی شکل میں بہنے لگتی ہے تو اس وقت زمین کی تمام غلاظتیں اور میل کچیل اور خس و خاشاک سب ابھر کر سطح آب پر آجاتے ہیں مگر چند لمحوں کے بعد کہیں ان کا نام و نشان تک نہیں رہتا، اور وہی پاک صاف پانی باقی رہ جاتا ہے جو انسان کے لئے مفید ہے۔ اسی طرح علم و بصیرت اور رشد و ہدایت کا آب حیواں بھی جب قلوب کی وادیوں میں اترتا ہے تو پہلے تمام دبی ہوئی کثافتوں کو ابھار دیتا ہے اور بالآخر نفسانی خواہشوں اور شکوک و اوہام کی گندگیوں کو فنا کرکے دلوں کو انوار الٰہی کا مہبط بنا دیتا ہے۔ اس کی مثال بعینہٖ دوا کی سی ہے جو جسم کے اندر داخل ہوکر تمام اخلاط جسم کو ابھار دیتی ہے اور مریض ایک طرح کی ناگواری محسوس کرتا ہے حالانکہ اخلاط کا ابھرنا دوا کے فوائد میں سے ہے کیونکہ وہ انھیں ابھارتی ہی اس لئے ہے کہ فنا کردے، جیسا کہ اس کی فطرت کا خاصہ ہے۔ ان حقائق کو سامنے رکھو اور پھر حق و باطل کی باہمی آویزش کا تصور کرو۔ حق نمودار ہوتا ہے تو دلوں میں چھپی ہوئی باطل کی تمام قوتیں سر نکال لیتی ہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ حق خود ہی کریدکر ان قوتوں کو ابھارتا ہے۔ تاکہ انھیں باہر نکال پھینکے۔ کچھ مدت تک تو وہ قوتیں ایک ہیجانی کیفیت میں ابھری رہتی ہیں لیکن آخر کار فنا ہوجاتی ہیں اور آئینۂ قلب بالکل صاف ہوکر چمک اٹھتا ہے۔ یہ تمثیل تو مائی تھی۔ ناری تمثیل بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے:۔

وَمِمَّا یُوقِدُونَ عَلَیْہِ فِی النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْیَۃٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُہٗ

اور یہ جو لوگ، زیور یا دوسرے ساز و سامان کے لئے (معدنیات کو) آگ میں تپاتے ہیں اس میں (بھی)، اسی طرح جھاگ اٹھتا ہے

معدنیات جب آگ میں پگھلائی جاتی ہیں تو ان میں سے میل کا جھاگ اٹھتا ہے۔ اصل جوہر نیچے رہ جاتا ہے جو انسانی ضروریاتِ زندگی کے لئے کارآمد ہے اور جھاگ اوپر آکر جھینٹ جاتا اور سوخت ہوجاتا ہے۔ ایمان و ہدایت کا معاملہ بھی ایسا ہی کچھ ہے۔ ایمان کی گرمی جب پہنچتی ہے تو مومن کے قلب کو اپنے اندر کی کثافتوں کا شدید احساس

ہوتا ہے اور وہ پریشان ہونے لگتا ہے۔ مگر یہ آگ شہوات اور شبہات کی گندگیوں کو اس طرح چھانٹ کر پھینک دیتی ہے جس طرح بھٹی کی آگ معدنیات کے میل اور زنگ کو۔ پھر جس طرح ملاوٹ نکل جانے اور سوخت ہو جانے کے بعد معدنیات کا خالص جوہر انسانوں کو فائدہ پہنچاتا ہے اسی طرح نور ایمان بھی قلب مومن میں متمکن ہو کر نہ صرف اس کو بلکہ اس کے ذریعہ سے ایک جہان کے جہان کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

(۳) اب دنیوی زندگی اور صاحب دنیا کی مثال بیان کی جاتی ہے:۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ	دنیوی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے مثلاً ہم نے آسمان کا پانی
اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ	برسایا اور اس سے زمین کی نباتات جس کو آدمی اور چوپائے کھاتے
الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ حَتّٰى	ہیں سیراب ہوئی، یہاں تک کہ جب زمین نے اپنا سنگھار کر لیا
اِذَا اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَا	اور خوشنما ہو چکی اور اہل زمین نے سمجھ لیا کہ اب وہ ان کی ہے
اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَا اَتٰهَا اَمْرُنَا لَيْلًا	تو (ناگاہ) ہمارا حکم اس پر رات یا دن کے وقت نازل ہو گیا
اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ	اور ہم نے اس کا ایسا ستھراؤ کیا کہ گویا کل اس کا نام و نشان
بِالْاَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ	ہی نہ تھا۔ جو لوگ سوچتے اور سمجھتے ہیں ان کے لئے ہم اپنی
يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (یونس۔ ۳)	نشانیاں اسی طرح تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے دنیوی زندگی کی تشبیہ اس طرح دی ہے کہ دنیا جب زیب و زینت کے لباس میں بن سنور کر سامنے آتی ہے تو انسان اس پر مفتوں ہو جاتا ہے اور حصول دنیا ہی اپنا مطمح نظر قرار دے لیتا ہی حتیٰ کہ یہ فریب نفس اُسے یہاں تک پہنچا دیتا ہے کہ وہ اس زینتِ حیات کو اپنی ملک اور اپنے قبضۂ قدرت میں سمجھنے لگتا ہے۔ اس وقت یکایک کرشمۂ الٰہی نمودار ہوتا ہے اور اس کے ہاتھوں سے یہ محبوب ترین متاع چھین کر اسے خسران و ناکامی کی ناگہانی مصیبتوں اور حیرتوں میں چھوڑ جاتا ہے۔ اس کیفیت زندگی کی تشبیہ اللہ تعالیٰ نے زمین سے دی ہے جس پر بارش کی کرشمہ سازی سے نباتات کی ہری ہری چادریں بچھ جاتی ہیں اور اس باصرہ نواز منظر کو

دیکھ کر کسان بیخود و بے اختیار ہو جاتا ہے۔ اس وقت خدا اسے یاد نہیں آتا نفس کے فریب میں آ کر وہ اسے اپنی تدبیر کا نتیجہ اور اپنی ملک سمجھنے لگتا ہے کہ اچانک حکم الٰہی جاری ہوتا ہے اور یہ سارا سامانِ غرور آفات و حوادث کی نذر ہو کر رہ جاتا ہے۔ دیکھتے دیکھتے اس کا طلسم ظن و غرور ٹوٹ جاتا ہے اور اسے دکھائی دیتا ہے کہ جس جگہ اس کے خوش آئند تخیلات کی حسین عمارت قائم تھی وہاں شکستہ کھنڈروں کے نشان بھی اب موجود نہیں ہیں۔ یہی حال دنیا کی رعنائیوں اور اس کے پر امید اور خود فریب پرستاروں کا ہے اگر غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ دنیا اور دنیا پرست کی کتنی بلیغ تشبیہ ہے۔

ضمناً ایک اور نکتہ بھی سمجھ لو۔ چونکہ دنیا آفات و حوادث کا مرکز، اور اس کے بالمقابل جنت اطمینان و سکون اور عافیت و سلامتی کا گہوارہ ہے اس لئے قرآن اس تنبیہ اور تذکیر کے بعد وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ کہہ کر جنت کی زندگی کی طرف بلاتا ہے۔ جنت کو دار السلام (سکھ کا گھر) کہنے کی وجہ یہی ہے کہ یہ مقام اُن تمام آفتوں، پریشانیوں اور بے اطمینانیوں سے مامون ہے جن کی شکار دنیا بنی ہوئی ہے۔ قرآن بلا لحاظ خاص و عام سب کو اس آنند بھون کی طرف دعوت دیتا ہے کہ عدل الٰہی اسی کا مقتضی ہے، اگرچہ ہدایت و معرفت کی سعادت صرف انہیں کو حاصل ہوتی ہے جن کو پروردگار عالم اس عزت و شرف سے نوازتا ہے وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ الخ۔

(۴) قبول حق کی استعداد اور عدم استعداد کی تمثیل:۔

مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

دونوں فریقوں کی مثال اندھے، بہرے اور آنکھوں والے اور سننے والے کی سی ہے، کیا دونوں کی حالت یکساں ہو سکتی ہے، کیا تم لوگ غور نہیں کرتے؟

قرآن نے اس آیت میں کفار کا ذکر کرتے ہوئے ان کی صفت یہ بیان کی ہے کہ وہ سننے سے معذور اور بصارت سے محروم ہیں۔ اور پھر ان کے مقابل مومنین کے اوصاف مثلاً ایمان، عمل صالح، محبت الٰہی

اور انابت الی اللہ وغیرہ کو بینائی اور سماعت سے تشبیہ دی۔ پہلے گروہ کو اندھا بہرا اس لئے کہا کہ ان کی پیشانی کی آنکھیں تو دیکھتی ہیں لیکن دلوں کی آنکھیں بے نور ہیں۔ حق کا بے نقاب چہرہ دیکھنے سے قاصر ہیں۔ اسی طرح وہ اوپر کے کانوں سے تو سنتے ہیں مگر اندر کے کانوں تک آوازِ حق کا گذر نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی تشبیہ ایسے شخص سے دی ہے جس کی دیکھنے اور سننے کی قوتیں سلب کر لی گئی ہوں کہ نہ وہ کسی چیز کو دیکھ سکتا ہو اور نہ کوئی بات سن سکتا ہے۔ دوسرا گروہ مومنین کا ہے جو بیدار مغز ہے، جس کے دل کی آنکھ بھی صحیح سلامت ہے اور کان بھی۔ اس کو ایسے شخص سے تشبیہ دی ہے جو دیکھنے والی آنکھیں اور سننے والا کان رکھتا ہے۔ یہ تمثیلیں بیان کر کے اللہ تعالیٰ ان دونوں کے برابر ہونے کی خود نفی نہیں کرتا بلکہ مخاطبوں ہی کی عقل و فکر سے سوال کرتا ہے کہ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ اس استفہام انکاری میں جو زور ہے وہ خود انکار کرنے میں کہاں ہو سکتا ہے۔

(۵) اولیاء مشرکین کی بے بسی کی مثال:۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ	جن لوگوں نے خدا کے سوا دوسروں کو اپنا کارساز بنا
دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ	رکھا ہے ان کی مثال مکڑی کی سی ہے کہ اس نے ایک گھر
اِتَّخَذَتْ بَيْتًا وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ	بنایا اور کچھ شک نہیں کہ سب گھروں میں کمزور گھر مکڑی
لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝	کا گھر ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے۔

(عنکبوت۔ ۴)

یہاں اس حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ مشرکین تو مکڑی کی طرح کمزور و ناتواں ہیں ہی لیکن ان کے اولیاء و شرکاء ان سے بھی زیادہ بے بس اور مجبور محض ہیں۔ سو ان مشرکین کی ذاتی کمزوری و بے چارگی اور پھر اپنے سے بھی بے بس تر اولیاء سے مدد و قوت حاصل کرنے کی مثال مکڑی اور اس کے گھر کی سی ہے۔ اس مثل کے تحت مشرکین کے انتہائی خسران کا ذکر ہے کہ اگرچہ وہ بے یار و مددگار ہیں لیکن وہ اپنی محرومی و

کمزوری کے نقطۂ کمال پر اس وقت پہنچے جب کہ انھوں نے اپنے سے بھی زیادہ مجبور مخلوق کو اپنا ولی و مددگار بنایا جن سے وہ سوائے ضعف و خسران کے کچھ نہیں پا سکتے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ مشرکین و کفار سبھی جانتے ہیں کہ تار عنکبوت کمزور ترین شے ہے پھر اس سے "لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ" کے ذریعہ ان کی واقفیت و علم کی نفی کیوں کی گئی ہے؟ اس کا جواب بالکل واضح ہے۔ آیت کا مقصد ان کے اس علم کی نفی کرنا نہیں ہے کہ مکڑی کا گھر سب سے زیادہ کمزور ہے بلکہ اس علم کی نفی کرنا ہے کہ خدائے واحد کے سوا جو معبود اور اولیا ٹھیرائے جاتے ہیں ان کی قوت اور قدرت تار عنکبوت سے زیادہ نہیں ہے۔ اگر وہ اس حقیقت کو جانتے ہوتے تو ایسا ہرگز نہ کرتے۔ وہ تو یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ یہی اولیاء ان کو قوت و جبروت بخشیں گے لیکن اس کی حقیقت خواب سے زیادہ نہیں ہے اور نہ کبھی ثابت ہوئی۔ اس مضمون کی بکثرت آیتیں ملتی ہیں جن میں یہی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ مثلاً ایک جگہ قرآن کہتا ہے:-

وَاتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً	انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر بہت سے خدا بنا رکھے ہیں کہ وہ ان کے مددگار
لِيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا كَلَّا سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ	ہوں گے۔ مگر وہ ہرگز مددگار نہ ہوں گے۔ قریب ہے کہ وہ خود ان کی
وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا (مریم - ۵)	بندگی کا انکار کریں گے اور الٹا ان کے دشمن ہو جائیں گے۔

دوسری جگہ ہے:-

وَاتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً	ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر بہت سے خدا بنائے یہ سمجھ کر کہ وہ ان کی
لَعَلَّهُمْ يُنصَرُونَ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ	مدد کریں گے۔ مگر وہ ان کی مدد نہیں کر سکتے۔ بلکہ یہ بت پرستوں کے
وَهُمْ لَهُمْ جُندٌ مُّحْضَرُونَ (یٰسین - ۵)	لشکری بنے ہوئے قیامت میں خود جوابدہی کیلئے حاضر ہوں گے۔

ایک مقام پر مشرکین کی ہلاکت و تباہی بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:-

وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ	اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انھوں نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا، اور جب
فَمَا أَغْنَتْ عَنْهُمْ آلِهَتُهُمُ الَّتِي يَدْعُونَ مِن	تیرے پروردگار کا حکم (عذاب) آیا تو خدا کے سوا وہ جن معبودوں

دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ (ہود - ۹)

کو پکارا کرتے تھے وہ ان کے کچھ بھی کام نہ آئے (بلکہ) انھوں نے ان کی تباہی کچھ اور بڑھا دی۔

ان چاروں مقامات پر یہ حقیقت آشکارا کی گئی ہے کہ جس نے خدا کو چھوڑ کر شرکا اور اولیا کا دامن سربلندی وسرفرازی اور نصرت و امداد حاصل کرنے کے لئے پکڑا وہ ناکام رہا اور اس کی یہ عبادت مفید و منفعت بخش ہونے کے بجائے الٹی وبال جان بن گئی۔ یہ مثل جو اوپر بیان ہوئی شرک کے ابطال، مشرکین کے خسران اور ان کے انجام کی ہولناکی اور تباہ کاری کی سب سے زیادہ روشن اور بلیغ تمثیل ہے۔ (باقی)

ترجمانُ القرآن کے سابق پرچے

ترجمان القرآن کے مندرجۂ ذیل سابق پرچوں کی دفتر ہذا کو ضرورت ہے۔ جو حضرات ان پرچوں کو قیمتاً فروخت کرنا چاہتے ہوں۔ یا جنکے پاس یہ پرچے فالتو موجود ہوں۔ وہ براہ کرم ان پرچوں کو بذریعہ ڈاک ہمارے پاس روانہ کردیں اور لفافہ پر اپنا مکمل پتہ تحریر فرمادیں تاکہ ۸ر فی پرچہ کے حساب سے اُن کو قیمت روانہ کی جاسکے

رسائل و اخبارات کے ایڈیٹر صاحبان سے بھی گزارش ہے کہ اگر وہ مکمل فائل نہ رکھنا چاہتے ہوں۔ اور ان کے پاس یہ پرچے ہوں تو وہ بھی ان پرچوں کو بھجوا کر قیمت وصول کریں۔

سال ۵۲ھ	جلد ۲	عدد ۱	ماہ محرم
〃	جلد ۳	عدد ۲	ماہ شعبان
〃	جلد ۳	عدد ۳	ماہ رمضان
سال ۵۴ھ	جلد ۶	عدد ۱	ماہ محرم
〃	〃	〃 ۲	ماہ صفر
〃	〃	〃 ۳	ماہ ربیع الاول
〃	〃	〃 ۴	ماہ ربیع الثانی

سال ۵۶ھ	جلد ۱۰	عدد ۲	ماہ صفر
〃	〃	〃 ۳	ماہ ربیع الاول
〃	〃	〃 ۴	ماہ ربیع الثانی
〃	جلد ۱۱	〃 ۲	ماہ شعبان
〃	〃	〃 ۳	ماہ رمضان
سال ۵۸ھ	جلد ۱۲	عدد ۵	ماہ جمادی الاولیٰ
〃	〃	〃 ۶	ماہ جمادی الاخریٰ
〃	جلد ۱۳	〃 〃	ماہ رجب

منیجر

سورۂ صافات کی قسمیں

از جناب مولوی داؤد اکبر صاحب

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّاۙ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًاۙ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًاۙ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌؕ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِؕ

قرآن مجید کے ایک طالب علم نے سورۂ صافات کی قسموں کی غرض اور مقسم بہ اور مقسم علیہ میں ربط دریافت کیا ہے اس باب میں قبل اس کے کہ ہم اپنی کوئی تحقیق پیش کریں مناسب ہوگا کہ مفسرین کرام کی نگاہِ کشف و تحقیق نے ہماری رہنمائی کے لئے جو نقوش چھوڑے ہیں ان کی طرف مراجعت کرلی جائے تاکہ اصل مقصود تک پہنچنے میں آسانی ہو۔

پیش نظر سورہ کی قسموں کی بابت یوں تو تمام مفسرین نے کچھ نہ کچھ بحث کی ہے مگر اس بارے میں حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ نے جس تمام و کمال سے تحقیق و تدقیق کی ہے یہ کچھ انہیں کا حق ہے۔ فرماتے ہیں اس میں دو احتمال ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ ان صفات کا موصوف ایک ہی ہو۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ ان صفات کا موصوف مختلف ہو۔ پہلی صورت لینے میں اس کی مختلف توجیہیں ہوں گی :۔

۱۔ ان صفات کے موصوف ملائکہ قرار دیے جائیں۔ اس لحاظ سے تاویل یوں ہوگی۔

الف ۔ وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا یعنی قسم ہے ان ملائکہ کی جو صف بستہ ہیں۔ ملائکہ یا تو عبادتِ الٰہی کے لئے صف بصف آسمانوں میں مستعد رہتے ہیں جیسا کہ انہیں کی زبانی ارشاد ہے "وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ"۔ یا اس سے یہ مقصود ہے کہ وہ اپنے روحانی بازوؤں کو فضا میں پھیلائے ہوئے امر خداوندی کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ اور اس کا بھی احتمال ہے کہ فرشتوں کے صف بصف ہونے کا یہ مفہوم ہو کہ ملائکہ میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ درجہ معین ہے۔

ب۔ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا۔ اس کی بھی مختلف توجیہیں ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے وہ ملائکہ مراد ہیں جو بادلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لیے پھرتے ہیں۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ اس سے وہ ملائکہ مراد ہوں جو الہام کی صورت سے قلوب انسانی میں تاثیر پیدا کرتے ہیں۔ یا یہ کہ اس سے وہ ملائکہ مراد ہوں جو انسانوں سے ارواح خبیثہ کو دور کیا کرتے ہیں۔ ان اقوال کو بیان کرنے کے بعد حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ اس دوسری صفت کے متعلق اپنے مخصوص انداز میں فرماتے ہیں :۔

"فلاسفہ کے نزدیک طے شدہ ہے کہ موجودات کی تین قسمیں ہیں ایک سراپا تاثیر ہے اور وہ خداوند تعالیٰ کی ذات بابرکت ہے۔ دوسرا عالم اجسام ہے اور یہ سراپا تاثر وانفعال ہے۔ تیسرا عالم ارواح (ملائکہ) ہے اور یہ وہ جماعتِ قدسی ہے جس میں کارساز فطرت کی طرف سے تاثر و تاثیر دونوں طرح کی قوتیں ودیعت کی گئی ہیں۔ یہ ایک طرف تو انوار الٰہی سے فیضیاب ہوتی ہے اور دوسری طرف قلوب انسانی پر بھی اثر ڈالتی ہے۔"

ج۔ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا۔ اس میں اشارہ ہے کہ یہی وہ صفت ہے جس سے ملائکہ اپنی روحانیت میں ترقی دیکر عالم اجسام پر اثر ڈالتے ہیں۔

اس کے بعد امام صاحب فرماتے ہیں :۔

مقدمہ بالا کی روشنی میں غور کرو تو تم پر یہ حقیقت روشن ہو جائے گی کہ پہلی صفت (وَالصّٰٓفّٰتِ) میں اشارہ ہے کہ ملائکہ صف بصف خداوند تعالیٰ کی بارگاہِ عالی میں سر نیاز خم کئے رہتے ہیں۔ اور یہی وہ طریقہ ہے جس سے ملائکہ انوار الٰہی اور تجلیات ربانی کے مہبط ہوتے ہیں۔ دوسری صفت (فَالزّٰجِرٰتِ) میں اشارہ ہے کہ جواہر ملکیہ (ملائکہ) قلوب انسانی پر اثر انداز ہوتے ہیں اور انسانی قویٰ اور اکیہ کے حرکت میں لانے کے ایسے اسباب فراہم کرتے ہیں جو ان کی روحانی زندگی کے لئے ضروری ہیں۔ یہ نظام قدرت کی جانب سے اس لئے ہے کہ ارواح بشری اپنی تکمیل میں ارواح ملکیہ کی محتاج ہے اور یہ تو مسلمات میں سے ہے کہ ارواح بشری کی باہمی تقوی